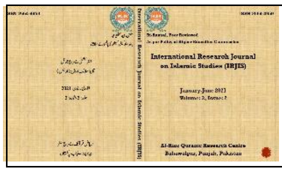

International Research Journal on Islamic Studies (IRJIS)
ISSN 2664-4959 (Print)
Journal Home Page: https://www.islamicjournals.com
E-Mail: tirjis@gmail.com / info@islamicjournals.com
Published by: "Al-Riaz Quranic Research Centre" Bahawalpur

سرمایہ دارانہ نظام کے تہذیبِ اسلامی پر اثرات اور عصری معنویت

The Impact of Capitalism on the Islamic Civilization and Current Ideality

Dr. Muhammad Sadiq,
Elementary School Teacher,
Govt. High School Dhoor Kot,
Ahmad Pur East, Bahawalpur Punjab, Pakistan
Email: msadiqiub@gmail.com

To cite this article: Sadiq, Dr. Muhammad, "The Impact of Capitalism on the Islamic Civilization and Current Ideality" International Research Journal on Islamic Studies Vol. No. 3, Issue No. 1 (March 29, 2021) Pages (82–95)

Journal	International Research Journal on Islamic Studies Vol. No. 3 || January - June 2021 || P. 82-95
Publisher	Al-Riaz Quranic Research Centre, Bahawalpur
URL:	https://www.islamicjournals.com/3-1-6/
Journal Homepage	www.islamicjournals.com
Published Online:	29 March 2021

License:	© Copyright Islamic Journals 2021 - All Rights Reserved. This work is licensed under an Attribution-ShareAlike 4.0 International (CC BY-SA 4.0)

Abstract

The global situation created by the clash of civilizations in the 21st century is worrisome in many ways. The war of interests between the modern nations has taken on ugly forms of oppression and exploitation. It is not at all difficult to guess that it is a socialization war. On the one hand, there is the Western civilization, which has embraced most of the regions and societies of the world due to scientific progress, military supremacy, economic domination and monopoly on the media. On the other hand, there is the Islamic civilization which is fighting for its survival and promotion with full force. Western politics and Western civilization do not allow any other civilization to live independently while maintaining its identity, but insist on adopting a fully Western model. But Islam recognizes not only Western civilization but the identity of all other civilizations. It puts all human beings and all civilizations in the relationship of human rights and morals on the basis of equality. The fact of the matter is that this war is now becoming bluntly clear and now this fact has become unblemished that in the future only one of these civilizations will lead a more rigid human society. And that would be more capable of solving the problems facing human society.

Keywords: *Capitalism*, *Economic interests*, *Global village*, *Civilization*, *Brutal treatment*

1. ابتدائیہ

اسلام کی آمد سے قبل قافلۂ انسانیت ایک بھیانک اور تباہ کن رخ کی طرف محو سفر تھا۔ مجموعی طور پر پوری دنیا کی مذہبی، معاشرتی، سیاسی، اخلاقی اور علمی حالت نہایت ابتر تھی۔ کرۂ ارضی مذہبی بے راہ روی، اخلاقی انارکی، علمی و فکری تنزلی، سیاسی پستی،

طبقاتی کشمکش اور معاشرتی لاقانونیت کے آخری نقطے پر پہنچ چکا تھا۔ اسلام نے دنیا کو اس مہیب صورت حال سے نکال کر مذہبی وسیاسی، اخلاقی ومعاشرتی اور علمی وفکری حلقوں میں نہایت پاکیزہ اور دوررس انقلاب کی قیادت کی ہے۔ زندگی کا ایسا کوئی گوشہ نہیں جہاں تک آفتاب اسلامی کی کرنیں نہ پہنچی ہوں۔ اسلام نے دنیا کے سامنے ایک جامع نظام زندگی اور ابدی دین فطرت پیش کیا۔ اسلامی عقائد و تعلیمات اور اسلامی ضابطہ حیات سابقہ ادیان سماوی کا جامع ہے۔ اسلام نے سارے مذاہب کی خوبیوں کو اپنے اندر سمولیا اور ان مذاہب میں انسانوں نے جو اضافے یا تبدیلیاں کرلی تھیں ان کو نکال باہر کیا۔ گویا اسلام سماوی مذاہب کا سب سے آخری ایڈیشن اور سب خوبیوں کا مجموعہ ہے۔

مسلمانوں کی موجودہ صورتحال یہ ہے کہ ان کے پاس پچاس سے زیادہ ممالک کا اقتدار ہے۔ دنیا میں ان کی مجموعی تعداد سوا ارب سے بھی زائد ہے۔ مسلمانوں کے متعدد ممالک میں تیل وگیس کے ذخائر موجود ہیں اور ان کے پاس دنیاوی ترقی کے لیے وافر مقدار میں وسائل وذرائع ہیں مگر اس کے باوجود دنیا کے منظرنامے پر ان کا کوئی اثر ورسوخ نہیں ہے۔ نہ صرف دنیا کی بڑی کفریہ طاقتیں بلکہ چھوٹی چھوٹی قومیں بھی ان کا محاصرہ کرنے اور اُن پر عرصۂ حیات تنگ کرنے پر کمربستہ نظر آتی ہیں۔ مسلمانوں کے مذہبی جذبات کو ٹھیس پہنچانے کے لیے آئے دن اسلام پر بے ہودہ الزامات لگائے جاتے ہیں اور کبھی قرآن کو تو کبھی پیغمبر ﷺ کو نشانہ بنانے کی کوشش کی جاتی ہے بلکہ بدقسمتی ہی کی بات ہے کہ وہ تہذیب ومعاشرت جس کے زہریلے اثرات سے آج مغربی دنیا تڑپ رہی ہے عصری ضروریات اور جدید تقاضوں کا نام لے کر اسی تباہ کن تہذیب کو مسلم معاشروں میں رائج کرنے کی ناروا کوششیں کی جارہی ہیں۔

موجودہ دنیا میں ہر قوم ایک دوسرے پر سبقت لے جانے اور دنیا پر اپنی بالادستی قائم کرنے کے لیے کوشاں ہے جس کے لیے عالمی سطح پر اثر رکھنے والے ادارے مختلف اقسام کی پالیسیاں بناکر طرح طرح کے ہتھکنڈے اختیار کررہے ہیں۔ وہ قومیں جو صدیوں سے منتشر چلی آرہی تھیں وہ اب ایک پلیٹ فارم پر جمع ہوکر اپنی طاقت میں اضافہ کررہی ہیں مگر مسلمان ہنوز منتشر ہونے کے علاوہ اپنی سادہ لوحی کے سبب بہت آسانی سے کفار کے دام فریب کا شکار ہوکر ان کی تہذیب اور ان کی اقدار کو اپنارہے ہیں۔ ہمارے آج کل کے نوجوانوں میں وضع قطع سے لے کر بودوباش کے تمام طور طریقوں تک میں اپنے اسلاف واکابر کے طور طریقوں سے روگردانی کرکے اغیار کی مشابہت کا مرض بڑے پیمانے پر پھیلتا جارہا ہے جو ہمارے لیے ایک لمحہ فکریہ ہے۔ تاہم یہ ضروری ہے کہ اسلامی تہذیب پر مغربی سرمایہ دارانہ نظام کے اثرات کے متعلق گفتگو سے پہلے سرمایہ دارانہ نظام کے معنی ومفہوم اور اسکی نمائندہ تہذیب کا تعارف کروایا جائے۔

2. معاصر سرمایہ دارانہ نظام کی نمائندہ تہذیب

اپنی تہذیب کے آغاز سے ہی انسان انفرادی واجتماعی لحاظ سے اچھے معاشی وسائل اور زندگی گزارنے کے بہتر اسباب کی تلاش میں لگا ہوا ہے۔ اس اہمیت کے پیش نظر دنیا کی متمدن اقوام نے مختلف ادوار میں جامع منصوبہ بندی کرتے ہوئے مختلف معاشی نظام قائم کیے۔ اٹھارویں اور انیسوی صدی عیسوی میں جب سائنس وٹیکنالوجی میں ترقی کی وجہ سے دنیانے ایک نیارخ اختیار کیا تو مالیاتی ومعاشی نظاموں میں بھی تبدیلیاں رونما ہوئیں اور مختلف معاشی نظریئے ظہور پذیر ہوئے جن میں سے ایک سرمایہ دارانہ نظام کا نظریہ ہے جو سرزمین مغرب میں منظر عام پر لایا گیا۔ ایک مغربی ماہر معاشیات ایڈم سمتھ، م 1790 نے سب سے پہلے ان تمام پابندیوں کو تجارت سے ہٹانے کی کوشش کی جو بعض ممالک نے اپنے ملک میں تجارتی سامان کے درآمد اور برآمد پر پابندی لگا رکھی

تھیں اور آزادانہ تجارت کے اُصولوں پر تجارت کے نئے نظام کا نظریہ پیش کیا۔ ایک اور مغربی مفکر مالتھس، م1834ء نے تقلیل حاصل کا نظریہ پیش کیا اور پھر فری ٹریڈ ازم کا تاجرانہ اقتصادی نظام اٹھارویں صدی عیسوی میں سرمایہ دارانہ نظام کی صورت اختیار کر گیا۔ کینز، م1946ء بھی ایک مغربی ماہر معاشیات تھا جس نے کساد بازاری سے بچنے کے لئے 1936ء میں ایک نظریہ پیش کیا جس کو "The general theory of employment interest and money" کہا جاتا ہے۔ اس نظریے کی ایجاد سے سرمایہ داروں کو حکومت کی سرپرستی حاصل ہو گئی۔[1] نظام سرمایہ داری کی مختلف تعریفات کی گئی ہیں، مثلاً انسائیکلوپیڈیا آف بریٹینکا میں اس کو مندرجہ ذیل الفاظ میں بیان کیا گیا ہے:

"Capitalism is called free market economy or free enterprises financial system, dominant in the Western World since the collapse of feudalism, in which the most of production resources are privately owned and income circulated through the operation of markets."[2]

ڈکشنری آف سوشل سائنسز میں اس کو مندرجہ ذیل الفاظ میں بیان کیا گیا ہے:

"The word capitalism indicates an economic system or in which the greater share of economic life, particularly ownership of asset in production goods, is carried on under private sponsorships through the process of economic race."3

انسائیکلو پیڈیا آف امریکانو نے Capitalism کی وضاحت یوں کی ہے:

"Capitalism is the kind of economy in which capitalism is private owned and many liberally used by the owned as the requirement in attempting to make incomes from their enterprises. "[4]

مذکورہ بالا تعریفات کے مطابق کیپیٹلزم کی اصطلاح ایسے معاشی نظام کی وضاحت کے لیے استعمال کی جاتی ہے جس میں معاشی زندگی کا ذیادہ تر حصہ خاص طور پر اشیاء کی پیداوار کے سلسلے میں سرمایہ کاری معاشی مسابقت کے اصول کے تحت نجی سرمایہ کاروں کے زیر اثر پروان چڑھتی ہے۔ موجودہ سرمایہ دارانہ نظام ایک ایسا معاشی نظام ہے جس میں سرمایہ نجی ملکیت ہوتا ہے جبکہ سرمایہ کار اپنی معاشی اجارہ داری کی بناء پر اسے اپنی خواہش نفس کے مطابق استعمال کرنے میں آزاد ہوتا ہے۔ سرمایہ دارانہ نظام کے بنیادی اصول مندرجہ ذیل ہیں۔

- اس نظام میں افراد معاشرہ کو اشیاء پر بغیر کسی پابندی کے مکمل طور پر ملکیت حاصل ہوتی ہے۔
- افراد کو حکومت کی مداخلت کے بغیر اپنے اموال کے تصرف میں آزادی کا حق حاصل ہوتا ہے اور معاشی تنظیم منڈی کے سپرد ہوتی ہے، منڈی کا نظام رسد و طلب کے فطری قانون کے تحت خود بخود منظّم ہوتا ہے جس کے تحت منافع کو زیادہ سے زیادہ حاصل کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔
- اس نظام میں منافع کا حق عامل اور تنظیم کنندہ کو حاصل ہوتا ہے اور عموما حکومت کی طرف سے کوئی پابندی نہیں ہوتی کیونکہ اس قسم کی آزادی سے ہی آزادانہ تجارت ممکن ہوتی ہے۔[5]

---

[1] Ahmad Hassan Kamāl, *Nizāmi Ma'īshat aūr Islām,* (Tayyīb Publishers, Lahore, 2002), 53.
[2] The New Encyclopedia Britannica, (*Encyclopedia Britannica, Inc., U.S.A.* 1986), 2:831.
[3] Dictionary of Social Sciences, (*Craig Calhoun , Oxford University Press, 2002*), 57.
[4] The Encyclopedia Americana, (*Americana Corporation 1977*), 10: 350.
[5] Usmānī, Muhammad Taqqī, Muftī, *Takmilah Fathu al-Mulhim*, (Maktabah Dār al-'ulūm Karachi, 2009), 1:201.

غلبہ حاصل کرنے والی مغربی اقوام نے اٹھارہویں اور انیسویں صدی میں ہیگل کے فلسفہ تاریخ کی روشنی میں ترقی کے مفہوم کو متعین کیا۔ ہیگل کا فلسفہ یہ تھا کہ جب کوئی قوم غالب آتی ہے تو اسکی تہذیبی خوبیاں نمایاں ہو جاتی ہیں لیکن جب کوئی قوم مغلوب ہوتی ہے تو اسکی تہذیب کی خامیاں باقی رہ جاتی ہیں اوریوں تہذیب غالب تہذیب مغلوب کی نسبت بہتر شکل میں سامنے آ جاتی ہے۔ انیسویں صدی میں ڈارون کے پیش کردہ نظریہ ارتقاء کا خلاصہ بھی یہ تھا کی اس رزم گاہ حیات میں خوب تر کیلئے بقاء اور کمتر کیلئے فنا ہے۔ الفاظ کی معمولی کمی بیشی کیساتھ مارکس نے بھی یہی نظریہ پیش کیا۔ اہل مغرب کے ذہنوں پر یہ نظریات اس طرح چھاگئے کہ وہ ہر گزرے ہوئے دن کو خامیوں کا حامل اور ہر آنے والے دن کو خوبی اور ترقی کا حامل سمجھنے لگے۔[6] ہم یہ جان چکے ہیں کہ سرمایہ دارانہ نظام کا آغاز و ارتقاء سرزمین مغرب پر ہوا اور سرمایہ دارانہ نظام کی حامل وہ مغربی تہذیب ہے جو گزشتہ چار سو سال سے یورپ میں ابھری۔ مغربی دنیا پر اس سے قبل ایک ایسا دور بھی گزرا ہے جب وہ تہذیب و تمدن سے ناواقفیت اور علم و عمل سے دوری کے باعث تاریخ میں قرون وسطی، قرون مظالمہ، دور جہالت، اور دور تاریکی کے ناموں سے مشہور ہے۔ اس تاریک دور کی ایک تصویر یورپی مؤرخ رابرٹ ریفالٹ اپنے ایک مضمون میں یوں پیش کرتے ہیں، وہ لکھتا ہے کہ:

"پانچویں صدی عیسوی سے لے کر دسویں صدی عیسوی تک یورپ کی مغربی دنیا پر بربریت کی اندھیری رات چھائی ہوئی تھی جس کا گھٹاٹوپ اندھیرا روز بروز بڑھتا اور تیز تر ہوتا جارہا تھا نیز یہ بربریت ابتدائی غیر مہذب اقوام کی بربریت سے بھی زیادہ ہولناک اور وحشتناک تھی"۔[7]

اہل مغرب اپنے تمدنی ارتقاء کی تاریخ کا آغاز پانچویں صدی قبل عیسوی کے یونانی دور سے کرتے ہیں پھر پانچویں صدی عیسوی کے زوال پذیر روم سے اپنی فکر کا ناطہ جوڑتے ہوئے ایک ہی چھلانگ میں گیارہویں صدی عیسوی میں داخل ہو جاتے ہیں۔ چھٹی صدی عیسوی تا دسویں صدی عیسوی پانچ سالہ طویل دور ان کی مرتب کردہ تاریخ کے صفحات سے غائب ہو جاتا ہے۔ شاید ایسا اس لیے کہ یہ اسلام کا عہد زریں ہے۔[8] یہ علمی اندھیرا صرف مسیحی یورپ کے لیے تھا ورنہ یورپ کا وہ حصہ جو مسلم سپین کہلاتا تھا وہ علم کی بلندیوں کو چھو رہا تھا۔ مغربی یورپ میں 1492ء میں سقوط غرناطہ کے بعد وہ سارا علمی سرمایہ جو مسلمانوں کے پاس تھا چھین کر پیرس ،لندن اور برلن کی یونیورسٹیوں میں پہنچا دیا گیا۔ ان ماہرین علوم کے تجربے، ہسپانیہ پر قبضہ اور مسلمانوں کے علمی ذخیرے کے باعث یورپ میں سائنسی ترقی کی ابتداء ہوئی اور اس سائنس و ٹیکنالوجی کی وجہ سے یہ یورپ میں نئی نئی اختراعات وایجادات منظر عام پر آئیں ۔یورپی اقوام اپنی تیار شدہ اشیاء کی کھپت کے لیے نئی منڈیوں کی تلاش میں نکل کھڑی ہوئیں تو ان کی حریصانہ نگاہیں ایشیا اور افریقہ کے ممالک پر لگ گئیں۔ سائنسی ایجادات نے اس تہذیب کو اتنی طاقت بخش دی تھی کہ اس نے محکوم ممالک کا گلہ گھونٹ کر وہاں کے عوام کی نظروں کو اپنی چکاچوند مادی ترقی سے خیرہ کرتے ہوئے اپنا بنایا ہوا معاشی نظام جسے آج کی زبان میں سرمایہ دارانہ نظام کہتے ہیں ان پر مسلط کر دیا جس کے مسلم امہ کی تہذیب پر اثرات کا جائزہ ذیل کے صفحات میں پیش کیا جاتا ہے۔

---

[6] Kīlānī, Muhammad Iqbāl, *'alamati Qiyamet kā Biyān*, (Maktaba Baīt-al Islam Al-Riyaz, Saoudi Arab, 1430 Hijri), 98.

[7] Briffault Robert, The Making of Humanity, London, 1919, p-164

[8] Ṣalāh-Ud-Dīn, Mohammad, *Bunyādī Ḥaqūq,* (Idārā Tarjamān al-Qur'ān, Lahore, 1978), 42.

3. سرمایہ دارانہ نظام کے اسلامی تہذیب پر اثرات

عالم اسلام تیرہ صدیوں تک ایک امت رہا جس کی اپنی ایک حکومت اور قیادت تھی جو تاریخ میں خلافت راشدہ، امویہ، عباسیہ اور عثمانیہ کے نام سے معروف ہے۔ یہ سیاسی قیادت مذکورہ نظام خلافت کو قائم رکھنا اپنا فرض سمجھتی تھی۔ بالآخر اندرونی اور بیرونی سازشوں کے ذریعے اس تاریخی قلعے کو گرا کر وحدت امت کو پارہ پارہ کر دیا گیا۔ اسرائیلی ریاست کی تخلیق سرمایہ دارانہ نظام کے حامل ممالک کا عالم اسلام پر ایک ظلم عظیم تھا اور اس ریاست کی مسلسل تعمیر اور حمایت ان کی ایک بڑی ناانصافی ہے۔ عصر حاضر کے اسلامی ممالک میں سے عراق، افغانستان، کشمیر، بوسنیا، چیچنیا اور میانمار میں مسلمانوں کی نسل کشی بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ موجودہ عالم اسلام کے پاس بے شمار قدرتی وسائل ہونے کے باوجود پسماندہ ممالک کی فہرست میں شمار ہونا بھی ایک محل نظر المیہ ہے۔ مزید بر آں دور جدید کے تیز ترین ذرائع ابلاغ نے غیر محسوس انداز میں افراد معاشرہ کے رویوں، سوچوں، طرز زندگی، رہن سہن، رسم ورواج، نشست وبرخاست انداز گفتگو وغیرہ کو متاثر کرنے کیساتھ ساتھ نوجوان نسل میں بھی بے راہ روی، فیشن پرستی، جنسی آوارگی، تشدد اور تخریب کاری پیدا کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔ ذرائع ابلاغ کے ذریعے شاہانہ طرز زندگی، نمود و نمائش، عیاری ومکاری، تشدد پسندی اور دہشت گردی کے رجحانات میں انتہا اضافہ ہوا ہے جو کہ اسلامی تہذیب و تمدن کے بالکل خلاف ہے۔ ان تمام مسائل کے پس منظر میں جو عوامل کار فرماں ہیں ان میں سر فہرست مالی مفاد کا غیر اخلاقی حصول ہے جو موجودہ زمانے کے مشہور معاشی نظام سرمایہ دارانہ نظام کی پیداوار ہے۔

انیسویں صدی عیسوی میں یورپ کے مشہور فلاسفہ چارلس ڈارون اور ہربرٹ سپنسر کی فکری ترقی، مذہب سے بیزاری، خدا کے انکار اور انسان کو بندر کی اولاد سمجھنے تک جا پہنچی۔ یہ فلسفہ عام ہو گیا کہ انسان اپنی تمام کاوشیں دنیاوی زندگی کو بہتر بنانے کے لیے کرے۔ تمام انسان عام حیوانوں کی طرح ہیں لہذا اس دنیا میں بقا صرف طاقتور کو نصیب ہو گی۔ اس فلسفے کے عام ہونے اور سائنس و ٹیکنالوجی کے ذریعے دولت کمانے کی وجہ سے مغربی سرمایہ دار اقوام کمزور اقوام پر ٹوٹ پڑیں۔ فاتح اقوام نے مفتوحہ اقوام کے تعلیمی اداروں، عدالتوں، معاشرت اور معیشت میں اپنی تہذیب و تمدن کو رائج کیا جسے مرعوب اور شکست خوردہ لوگوں نے قبول کر لیا۔ اس طرح یورپ کی مذہب اور خدا سے بغاوت پر مبنی تہذیب، فلسفہ، عمرانیات، ادب، آرٹ، انگریزی اور فرانسیسی تمام دنیا میں پھیل گئی۔

مغرب کا غالب مزاج مادی اور طرز حیات عیش کوشی ہے چنانچہ یہی دو عناصر ان کے تہذیبی تجربے میں بنیادی اہمیت رکھتے ہیں۔ مسیحی عہد میں مصنوعی روحانیت کچھ دیر غالب رہی لیکن جلد ہی ریاست اور کلیسا کی کشمکش شروع ہو گئی جو بالآخر کلیسا اور مذہب کی شکست اور مادیت کی فتح پر منتج ہوئی۔ اس کی عسکری طاقت اس طرز حیات کے دفاع اور پوری دنیا میں اس نظام کی اقدار کو نافذ کرنے کے لیے استعمال ہو رہی ہے۔[9] دفاع آزادی اظہار رائے کے بہانے حضور اکرم ﷺ کی شان میں گستاخی اور آپ ﷺ کی ذات اقدس کی توہین پر مشتمل ڈنمارک اور مغرب کے ملکوں میں کارٹونوں کی اشاعت نیز یورپ اور امریکہ میں مسلمانوں اور اسلام کے خلاف ایسی فلموں کی نمائش سے ایک ایسا تاثر دینے کہ کوشش کی گئی ہے جن سے اسلام اور مسلمانوں کی شبیہ مغرب کی نسل نو کے ذہنوں میں انتہائی خراب اور قابل نفرت بنتی ہو اور یہ تصور عام ہو کہ مسلمان وحشی، درندہ صفت، غیر مہذب اور رواداری سے نا واقف لوگ ہیں اور اسلام دور از کار اور فرسودہ مذہب ہے جو آج کی دنیا میں کوئی کردار ادا نہیں کر سکتا۔ یہ اور اس طرح کے ان گنت

[9] Khālid Elvī Dr, *Islām Kā Mūāshertī Niẓām,* (al-Faīsal Nāshrān Lahore ,2005), 277.

اقدامات جو مغرب اور امریکہ کی طرف سے اسلام اور مسلمانوں کے خلاف بے تکان کیے جارہے ہیں اور ایک کے بعد دوسرا شوشہ چھوڑا جارہا ہے۔ ان تمام باتوں کا مقصد بس ایک ہی نظر آتا ہے کہ عالمی سرمایہ دارانہ نظام کے حامل ترقی یافتہ ممالک اپنی تہذیب بزور بازو پسماندہ اور ترقی پذیر ممالک پر مسلط کرنا چاہتے ہیں۔ مولانا مودودی نے اپنی ایک تصنیف میں مذکورہ ممالک کے بھیانک چہرے کو یوں بے نقاب کیا ہے وہ لکھتے ہیں:

"بت پرست رعایا نے تلوار کے خوف سے اس مذہب کو قبول کر لیا جس کو وہ دل سے پسند نہیں کرتی تھی۔ بددل اور بے اعتقاد پیروکاروں سے مسیحی کلیسا بھر گئے۔ 38 برس کے اندر روم کی عظیم الشان سلطنت سے وثنیت یعنی بت پرستی کا نام ونشان مٹ گیا ۔یورپ، افریقہ اور شرق اردن میں تلوار کے زور سے مسیحیت تیزی سے پھیل گئی۔"[10]

سیکولر نظام تعلیم کے نتیجے میں مسلم امہ سمیت عصر حاضر کے تمام انسانی معاشروں میں مادہ پرستی، لذت کوشی، عریانی ، فحاشی، ظلم، حرص، دھوکہ دہی، قتل وغارت اور بدامنی ہر طرف پھیل چکی ہے۔ البتہ دین اسلام سے وابستہ لوگوں کی ایک بڑی تعداد اب بھی مغرب کی اس فکر سے بیزار اور خلاف ہے۔ انسانی تاریخ اس بات کی شاہد ہے کہ جب بھی کوئی قوم کسی دوسری قوم پر غالب آتی ہے تو وہ سب سے زیادہ مغلوب قوم کی معاشرت، تہذیب و ثقافت اور مذہب پر اپنا اثر ڈالتی ہے۔ مغلوب قوم غلامی کی وجہ سے غالب قوم کا طرز معاشرت اپنانے میں فخر محسوس کرتی ہے۔ اس اصول معاشرت کا ذکر ابن خلدون نے اپنی مایہ ناز تصنیف مقدمہ ابن خلدون میں بھی کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

" انسان فاتح قوم کے کمالات کو تسلیم کرتا ہے۔ مفتوح قوم صرف جسمانی طور پر غلام نہیں ہوتی بلکہ ذہنی طور پر بھی غلام بن جاتی ہے کیونکہ مفتوح قوم کے ذہن میں فاتح قوم کی عظمت چھاجاتی ہے اور وہ اس غلط فہمی میں مبتلا ہو جاتے ہیں کہ فاتح قوم بہت بڑے کمال کی وجہ سے حکومت حاصل کرنے میں کامیاب ہوئی۔ اس لیے مفتوح قوم ہر فعل مثلا کھانے پینے، پہننے اوڑھنے، رہنے سہنے، سواریاں رکھنے سمیت فاتح قوم کی ہر ادا میں نقل قبول کر لیتی ہے۔"[11]

مؤرخ ابن خلدون کے مذکورہ بالا اصول کی عکس بندی عصر حاضر کے مسلم معاشروں میں محسوس کی جاسکتی ہے۔ بالکل ایسے ہی نظر آتا ہے جیسے ابن خلدون نے بیان کیا ہے۔ اس لحاظ سے امت مسلمہ کے افراد میں مغربی طرز معاشرت رواج پاتی جارہی ہے اور ترقی پسند لوگ معاشی ترقی کے لیے انگریزی تہذیب کو بڑی تیزی سے اپناتے جارہے ہیں۔ یہ بات عین حقیقت ہے کہ کسی معاشرے کی ثقافت بدل جانے سے ان کی معاشرتی اقدار میں بھی تبدیلی آجاتی ہے۔ طارق جان اپنی کتاب "سیکولرازم، مباحث اور مغالطے" میں یوں رقمطراز ہیں:

"میں اس سوچ میں حق پر ہوں کہ اگر کسی قوم کے معاشرتی نظام کے ثقافتی عنصر کو تبدیل کر دیا جائے تو آپ اس کی خارجہ پالیسی کو بھی تبدیل کر سکتے ہیں۔"[12]

---

[10] Mūdūdī, Abū al-A'lá, Sayyīd, *Naṣrāniyat… Qur'ān kī Rūshnī mīn*, (Idārah Tarjāmān al- Qur'ān, Lahore, 4th Edition, 2000), 74

[11] Ibn Khaldūn, 'abdul al-Raḥmān, *Muqadmah Ibn Khaldūn,, Translater Rāghib Rahmānī*, (Nafīs Academy Urdu Bāzār Karachi,11th Edition), 10.

[12] Tāriq Jān, *Secularism Mabāhis aūr Mughāltay*, Mutarjam Muhibu al-Ḥaq, (Nāshir Manshorāt Lāhore), 445

جدید دور میں ٹیکنالوجی کے استعمال نے جہاں اور بہت سی چیزوں کو وجود بخشا ہے وہیں مواصلات و اتصال کے لیے سائبر ایج اور انٹر نیٹ کا زمانہ بھی آ چکا ہے جس کی بدولت مواصلاتی فاصلہ خاصا کم ہو گیا ہے۔ اب زندگی میں لذت کوشی، لہو و لعب اور انسانوں کی شہوتوں کو بھڑکانے والی جو چیزیں مغرب والوں نے اپنے لیے میسر کی ہیں، ان کے اخبار و آثار گویا اہل اسلام کو بھی بغیر کسی زمانی و مکانی فصل کے میسر ہیں۔ سرزمین مغرب میں اسباب زینت و شہوت کی عام دستیابی سے ایک خاص طرح کا انسانی کردار وجود میں آیا ہے۔ یہ خاص کردار اصل میں تو مغرب کی پیداوار ہے لیکن مواصلاتی فاصلے کے سمٹنے سے اس کردار کے اثرات مسلم معاشروں پر بھی ہیں۔ تاہم مغرب جب اپنی استعماری حکمت عملی اور تہذیبی طاقت کے ساتھ اسلامی دنیا کو اپنی ترجیحات کے مطابق ڈھالنے کی زور آزمائی کرتا ہے تو معاشرے میں خیر و شر کی کشمکش زور پکڑتی ہے۔ بیسویں صدی کی ابتداء میں خلافت عثمانیہ کے سقوط سے ہی امت مسلمہ کا زوال درجہ کمال کو پہنچ گیا تھا۔ مگر نصف صدی مکمل ہونے سے پہلے ہی عالم اسلام کو استعماری طاقتوں سے آزادی ملنا شروع ہو گئی۔ بیسویں صدی کے ختم ہونے تک پچاس سے زائد مسلم ممالک جدید دنیائے اسلام کے جغرافیے پر نمودار ہو گئے۔ ملت اسلامیہ کی سامراجی طاقتوں سے سیاسی آزادی نظریاتی اور فکری آزادی میں تبدیل نہ ہو سکی بلکہ سیاسی قیادت مغرب کے ایجنڈے پر کام کرتی رہی۔ سید ابو الحسن علی ندویؒ عالم اسلام کی اس صورت حال پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

"جہاں تک اسلامی ملکوں کے رہنماؤں اور سربراہوں کا تعلق ہے انہیں علم ہونا چاہیے کہ اس اندھا دھند مغربیت، تجدد اور انتشار سے خواہ فوری طور پر انہیں اور ان کے جانشینوں کو نفع ملے مگر مجموعی طور پر انہیں ایسا نقصان پہنچے گا کہ صدیوں تک اس کی تلافی نہیں کر سکیں گے۔ مسلم قوم میں اپنی ساری خامیوں اور کمزوریوں کے باوجود ایسا طاقتور ایمانی جذبہ پایا جاتا ہے جس سے دنیا کی تمام مادہ پرست قومیں محروم ہیں۔ اسلامی ممالک کے یہ لوگ اپنی افسوسناک پسماندگی اور جہالت کے باوجود ایسے بہترین مواد خام ہیں کہ ان سے بہترین ماڈل اور انسانی نمونے تیار ہو سکتے ہیں۔"[13]

چنانچہ مغرب نے اپنے منظم اور مؤثر نظام تعلیم سے فیض یاب، تجدد پسندوں کے ذریعے اسلامی ریاستوں کے جدید اداروں کو اپنے نقشے کے مطابق ڈھال لیا مگر تمام مسلم معاشروں میں عوام کو نہ ڈھال سکے۔ لہٰذا سیاسی قیادت اور عوام کی ترجیحات اور سوچ کے فرق نے ایک معاشرتی انتشار کو جنم دیا خاص طور پر 11/9 واقعے کو آڑ بنا کر امریکہ دیگر اسلام دشمن قوتوں کو اپنے ساتھ ملا کر عالم اسلام پر چڑھ دوڑا تو اس انتشار کی وجہ سے ریاستی ادارے، پارلیمنٹ اور انتظامیہ استعماری قوتوں کے ترجمان بن گئے اور معاشرے میں بے چینی اور اضطراب کی لہر پھیلتی چلی گئی۔ ایک طرف جدید مغربی ترجیحات کے نظام نے اسلامی دنیا میں حق و باطل کے التباس اور تجدد پسندی کی بدترین مثالیں قائم کر دیں تو دوسری طرف جہادی سرگرمیوں کا جواز مستحکم ہوتا چلا گیا۔ مثال کے طور پر جولائی 1997ء میں الازہر یونیورسٹی مصر کے زیر اہتمام منعقدہ ایک کانفرنس کے اعلامیے میں کہا گیا کہ:

"مغربی طاقتوں کو جہاد سے خوفزدہ نہیں ہونا چاہیے کیونکہ جہاد ایک ایسا دفاعی اور حفاظتی عمل ہے جو بین الاقوامی قانون سے ہم آہنگ اور مطابقت رکھتا ہے۔"[14]

---

[13] Nadvī, Abū al-Ḥassan Alī , Sayyīd, *Muslim Mamālik Mīn Islāmiyāt aūr Maghribiyat kī Kashmakish,* (Majlis Nashriyāti Islam, Lahore), 310.

[14] Shahābī, Faīz Ahmad, *Muslim Dunyān*,(Idārā M'arifi Islamī, Lahore 2004), 287.

مزید بر آں ایسے معاشرے جہاں دینی اقدار کا مذاق اڑایا جاتا ہو، سودی کاروبار اور زناکاری کو تحفظ حاصل ہو، جہاں مسلمان کہلانا دہشت گردی کی علامت ہو ، جہاں بے قصور معصوموں کو کافر اقوام کے حوالے کرنے میں ذرا سا بھی تامل نہ کیا جاتا ہو، جہاں باغیان نبوت کو اقتدار کی چھتری مہیا ہو، جہاں کافر اقوام کی کاسہ لیسی کی جاتی ہو، جہاں یہود و نصاریٰ کی خوشنودی کے لئے مسلم ممالک پر اسلام دشمنوں کی چڑھائی کو سند جواز مہیا کی جاتی ہو، جہاں ہزاروں معصوموں کو خاک و خون میں تڑپا کر فاسفورس بم گرا کر ان کا نام و نشان مٹایا جاتا ہو، جہاں عریانی، فحاشی اور میرا تھن ریس کو روشن خیالی و اعتدال پسندی کا نام دے کر باقاعدہ سرپرستی کی جاتی ہو، جہاں عوام نان شبینہ کے محتاج ہوں اور ارباب اقتدار کے سرکاری خزانوں سے لوٹ مار کر کے اربوں روپے مغربی ممالک کے بنکوں میں جمع کرانے کے واقعات منظر عام پر آچکے ہوں، جہاں ناچ گانے کی محفلیں عام ہو چکی ہوں اور یہود و نصاریٰ کی نقالی کو کامیابی کی معراج شمار کیا جاتا ہو۔ مذکورہ حالات کے منظر عام پر وقوع پذیر ہونے سے صاحب عقل و دانش کے لیے یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں ہوگا کہ ایسے لوگوں اور معاشروں پر مغربی تہذیب کتنی زیادہ اثر انداز ہو چکی ہے۔

تاریخ کے اوراق اس بات کے شاہد ہیں کہ عالم اسلام کی اندرونی طاقت اور سماجی ڈھانچہ اس قدر مضبوط تھا کہ دنیا کی کوئی تہذیب اسے متاثر نہ کر سکی۔ تین بر اعظموں پر مشتمل اسلامی سلطنت نے اندرونی بیرونی دشمنوں کا مقابلہ کرنے کے باوجود بھی اسلامی سماج کے ڈھانچے کو ناقابل تسخیر بنائے رکھنے کے ساتھ دنیا کی دیگر تہذیبوں کو بھی تحفظ فراہم کیا۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ کے بقول میثاق مدینہ دنیا کا سب سے پہلا تحریری دستور ہے جس میں مفاہمت بین المذاہب کا سب سے بڑا اور وسیع عملی مظاہرہ موجود ہے۔[15] عرب محقق اور سیرت نگار محمد حسین ہیکل لکھتے ہیں کہ یہ وہ تحریری معاہدہ ہے جس کی بدولت حضرت محمد ﷺ نے آج سے چودہ سو سال قبل ایک ایسا ضابطہ، انسانی معاشرہ میں قائم کیا جس سے شرکاء معاہدہ کو عقیدہ و مذہب کی آزادی کا حق حاصل ہوا۔[16] اسلام کے ان احکام اور عادلانہ اقدامات کو دیکھ کر مغربی مستشرقین بھی اسلامی رواداری کے اعتراف پر مجبور ہو گئے۔ چنانچہ فرانسیسی مستشرق موسیو سیڈیلیٹ (M.Sedillet) اپنی ایک تصنیف "خلاصۂ تاریخ عرب" میں اسی بات کا اعتراف کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ:

"جو لوگ اسلام کو ایک وحشیانہ مذہب کہتے ہیں ان لوگوں کے ضمیر کے تاریک ہونے کی واضح نشانی یہ ہے کہ وہ ان صریح علامتوں کو نہیں دیکھتے جن کے اثر سے عربوں کی وہ تمام بری خصلتیں جڑ سے اکھڑ گئیں جو مدت دراز سے سارے عرب میں رائج تھیں۔ انتقام لینا، خاندانی عداوت کو جاری رکھنا، کینہ پروری، ظلم و ستم اور دختر کشی وغیرہ جیسی مذموم رسومات کو قرآن نے بالکل مٹا دیا۔ ان میں سے اکثر چیزیں پہلے بھی یورپ میں تھیں اور اب بھی پائی ہیں"۔[17]

مولانا ابوالحسن علی ندوی لکھتے ہیں کہ اُمت مسلمہ کو یہ حقیقت باور کرانے کی ضرورت ہے کہ اسلام ایک انقلابی قوت ہے اور اسے انقلابی قوت بن کر ہی ابھرنا چاہیے تاکہ یہ پورے عالم پر چھا جائے۔[18] اسلامی تہذیبی برتری کی اس صورت حال کا مغربی مفکرین بھی برملا اعتراف کرتے رہے ہیں چنانچہ مشہور مغربی مفکر برٹرینڈ رسل Bertrand Russell نے اپنی ایک تصنیف میں لکھا ہے کہ:

---

[15] Muhammad Ḥamīd Ullah, Dr., *'ahidi nabvī min Nizami Ḥukmarānī,* (Urdu Academy Karachi 1978), 76.

[16] Haīkal, Muhammad Hussaīn, *Hayāti Muhammad*, (Matba'ah al-Nihzatah al-Miṣriyah, 1974), 227.

[17] M.Sedillet, *Khulāṣa Tārīkh 'arab, Translator, Abdul Ghaffar,* (Nafīs Academy Karachi 1986), 34.

[18] Nadvī, *Muslim Mamālik Mīn Islāmiyāt aūr Maghribiyat kī Kashmakish,* 322.

"699ء سے 1000ء تک کے زمانے کو تاریک کہنے کی ہماری اصطلاح مغربی یورپ پر ناجائز تہمت کی علامت ہے۔ اس وقت بھی ہندوستان سے اسپین تک اسلام کی شاندار تہذیب پھیلی ہوئی تھی۔ اس وقت عالم عیسائیت کو جو کچھ دستیاب نہیں تھا وہ اسلامی تہذیب کو دستیاب تھا۔ ہمیں محسوس ہوتا ہے کہ صرف مغربی یورپ کی تہذیب ہی تہذیب ہے، لیکن یہ ایک تنگ نظری ہے۔"[19]

ڈاکٹر افتخار احمد صدیقی لکھتے ہیں کہ اقبال کا یہ قول کہ یورپ کی آب وہوا نے مجھے مسلمان کر دیا ذہنی انقلاب کے ایک خاص مفہوم کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ جب انہوں نے مغربی تہذیب کے گھناؤنے چہرے کے مقابلے میں بلند اخلاقی وآفاقی تصور کی حامل اسلامی تہذیب کا جائزہ لیا۔ تو وہ قلبی طور پر اسلام کی حقیقی روح سے آشنا ہو گئے اور محسوس کر لیا کہ مادہ پرست تہذیب کی لعنتوں سے اسلام ہی نجات دلا سکتا ہے۔[20] مغربی مفکر پروفیسر ٹی۔ ڈبلیو۔ آرنلڈ (T.W. Arnold) نے اپنی کتاب "The Preaching of Islam" میں اسلامی تعلیمات اور تہذیب کی عظمت کا اعتراف کیا ہے۔ مصنف مذکور نے انسانی دنیا میں موجود امن، تہذیب اور ترقی کو مذہب اسلام کا نتیجہ قرار دیا ہے۔ اس کی مذکورہ کتاب کا ایک اقتباس ملاحظہ فرمائیں۔

"اگر مذہب اسلام جلوہ گر نہ ہوتا تو دنیا شاید ایک لمبے عرصے تک انسانیت، تہذیب اور شائستگی سے روشناس نہ ہوتی۔ یہ امر واقع ہے کہ آج دنیا میں امداد باہمی، مساوات، علمی جدوجہد اور بنی نوع انسانی کے ساتھ ہمدردی کی جو تحریکیں منظر عام پر آئی ہوئی ہیں وہ سب کی سب اسلامی تعلیمات ہی سے مستعار لی گئی ہیں۔ اسلام نے جلوہ گر ہو کر حکومتی نظاموں کا ڈھانچہ بدلنے کیساتھ دنیا کے اقتصادی نظام میں بھی انقلاب برپا کر دیا۔ دین اسلام نے ایک ایسا مکمل ضابطہ حیات پیش کیا جو صرف مسلمانوں ہی کیلئے نہیں بلکہ ساری انسانیت کیلئے ایک رحمت ثابت ہوا۔ یہ ایسی صفات ہیں جن کے سامنے نہ صرف میری بلکہ ہر منصف مزاج انسان کی گردن جھک جانی چاہئے۔"[21]

معاشرے اور خاندان کی صحیح خطوط کی طرف رہنمائی کے لیے اسلام نے جو تعلیمات دی ہیں اگر ان پر عمل کیا جائے تو وہ مسائل پیدا ہی نہیں ہوں گے جن کا گزشتہ اوراق میں تذکرہ کیا گیا ہے، اس لیے کہ اللہ رب العالمین انسانوں کی ضروریات سے بھی واقف ہے اور ان کی اس فطرت سے بھی اچھی طرح آگاہ ہے جس پر اس نے انھیں پیدا کیا ہے۔ خرابی اس وقت پیدا ہوتی ہے جب انسان اپنی فطرت سے بغاوت اور انحراف کرتے ہوئے غلط راہوں پر چل پڑتے ہیں۔ اسلام کی یہ تعلیمات محض خیالی اور نظریاتی نہیں ہیں، بلکہ ایک عرصے تک دنیا کے قابل قدر حصے میں نافذ رہی ہیں اور معاشرے پر ان کے بہت خوش گوار اثرات مرتب ہوئے ہیں۔ آج بھی جن معاشروں میں ان پر عمل کیا جارہا ہے وہ معاشرے پاکیزگی، امن اور باہمی ہمدردی ورحم دلی میں اپنی مثال آپ ہیں۔ اس لیے جو لوگ بھی موجودہ دور کے مذکورہ بالا سماجی مسائل سے چھٹکارا حاصل کرنا اور ان کے برے اثرات اور پیچیدہ عواقب سے محفوظ رہنا چاہتے ہیں، انھیں اسلام کی تعلیمات کو اختیار کرنے اور اپنے معاشرے میں نافذ کرنے کی سنجیدہ کوشش کرنی چاہیے۔

4. نظریہ تہذیبی تصادم کے موجودہ مسلم معاشروں پر اثرات

تہذیبوں کا تصادم بین الاقوامی تعلقات کے تناظر میں سرمایہ دارانہ طاقتوں کا ایجاد کردہ ایک متنازع نظریہ ہے۔ ایک امریکی مؤرخ سیموئیل ہنٹنگٹن نے اس نظریے کو عالمگیر شہرت بخشنے میں مرکزی کردار ادا کیا جس نے فکری محاذ پر مستقبل میں پیش

---

[19] Bertrand Russell, *History of Western Philosophy*, (London, 1948), 419.

[20] Ṣiddīquī, Iftikhār Ahmad, Dr., *Ārūj Iqbāl*, (Nāshir Bazmi Iqbāl, Lahore 1987), 325.

[21] T.W. Arnold, Sir Thomas, *The Preaching of Islam*, (London 1961), 277.

آنے والے خطرات کی عکس بندی کرتے ہوئے نوے کی دہائی میں 1993ء میں نیویارک کے معروف رسالہ "فارن آفیئرز" میں ایک مضمون میں تہذیبی ٹکراؤ کا نظریہ پیش کیا۔[22] اپنے مضمون پر غیر معمولی ردعمل دیکھ کر سیموئیل ہنٹنگٹن نے 1996ء میں ایک ضخیم کتاب "کلیش آف سویلائزیشنز اینڈ دی ری میکنگ آف ورلڈ آرڈر" کے عنوان سے شائع کی جسے عالمگیر شہرت ملی۔ سیموئیل پی ہنٹنگٹن تہذیبی تصادم کے نظریے کی وضاحت کرتے ہوئے کچھ یوں رقمطراز ہے۔

"انسانوں کے درمیان واقع ہونے والی عظیم تقسیم اور نزاعات کا اہم سبب ثقافتی ہو گا۔ دنیا کے معاملات میں قومی مملکتیں بدستور سب سے طاقتور عامل کے طور پر موجود ہونگی لیکن عالمی سیاسیات کے بنیادی مناقشے ان اقوام اور گروہوں کے درمیان برپا ہونگے جو تہذیبی لحاظ سے ایکدوسرے سے مختلف ہونگے۔ تہذیبوں کا ٹکراؤ عالمی سیاسیات پر چھاجائے گا۔"[23]

اس کے مذکورہ مضمون نے علمی حلقوں میں ایک غیر معمولی فکری ہلچل پیدا کر دی اور اہل علم نے ہر دو اطراف سے اس پر تنقید و توثیق کرتے ہوئے اپنی آزادانہ رائے کا اظہار کیا البتہ عالمی سیاسی حلقوں میں اس کے اثرات ظاہر ہونے میں کچھ عرصہ ضرور لگ گیا۔ لیکن 11 ستمبر کو عالمی تجارتی مرکز کے انہدام کے نتیجے میں عالمی افق پر جو واقعات رونما ہوئے ان سے یہ باور کر لیا گیا کہ مغرب کے انتہائی طاقتور ممالک اس نظریے کو بنیاد بنا کر ترقی پذیر معاشروں کو زیر نگیں کرنا چاہتے ہیں۔ امریکہ اور یورپ نے جس طرح جارحانہ طور پر کمزور ممالک کے خلاف کاروائیاں شروع کیں۔ ان کی زمینیں اور وسائل ہتھیانے کا سلسلہ شروع کیا، اس سے دنیا کو پیغام ملا کہ اب مغرب اپنے مفادات کے حصول کے لیے کسی بھی حد تک جاسکتا ہے۔ امریکہ اور یورپی ممالک پر یہ بھی الزام عائد کیا جا رہا ہے کہ وہ تہذیبوں کے تصادم کا بہانہ بنا کر افریقہ اور مشرق وسطی میں زیادہ سے زیادہ تباہی پھیلانا چاہتے ہیں۔

سیموئیل ہنٹنگٹن کے نظریے کیمطابق اکیسویں صدی تہذیبوں کے تصادم کی صدی ہے اور فوکویاما کے مطابق تاریخ کے خاتمے کی۔ ہنٹنگٹن کو یہ غلط فہمی بھی ہے کہ مستقبل میں مسلم دنیا کے ابھرنے کے امکانات مایوس کن ہیں۔ لیکن ساتھ ہی ساتھ اسے اس امر کا بھی ادراک ہے کہ تزویراتی محل وقع، کثیر آبادی اور تیل کی دولت سے مالا مال بلاک طاقت کا نیا توازن قائم کرے گا کہ بوسنیا، وسطی ایشیا، فلسطین یا کشمیر میں ہونے والے تہذیبوں کے خونیں تصادم زیادہ بڑی جنگوں میں تبدیل ہو سکتے ہیں۔[24] موجودہ حالات نے ہنگٹنٹن کے مفروضے کی فکری اور فنی کمزوریوں کے باوجود بڑی حد تک تصدیق کر دی ہے۔

انسانی تاریخ میں تہذیبیں اتفاق، مکالمے، تعاون اور مسابقت کے راستے سے ترقی کرتی رہی ہیں ۔ محض اپنے تصورات، اقدار اور طور طریقوں کو دوسروں پر طاقت کے ذریعے مسلط کرنا اور اسے تہذیبی تصادم کا نام دے دینا تو تباہی کا راستہ ہے۔ بلاشبہ انسانی تاریخ میں سیاسی اور معاشی وجوہات سے جنگیں برپا ہو کر تاریخ کا حصہ بنتی رہیں۔ محض تہذیبوں کے تنوع، اقدار کے اختلاف اور معاشرتی نظاموں کے باہم مختلف ہونے کی وجہ سے تہذیبی تصادم کا ہونا مغرب کا استعماری تصور ہے جو اس سے کہلوا رہے

---

[22] Samuel P. Huntington, *The Calash of Civilization*, (Foreign Affairs New York, Vol 72, No.3 Summer 1993), 23.
[23] Ibid,
[24] Samuel P. Huntington, *Tahzībūn Kā Taṣādum, Translater ‘abdul Ḥamīd Tāhir*,(Nigārshāt Publishers Lahore, 2012), 38.

ہیں کہ "اسلام کے پیروکار اپنی ثقافت کی آفاقیت پر یقین رکھتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ ان کی بالاتر طاقت، خواہ زوال پذیر کیوں نہ ہو ان پر یہ فریضہ عائد کرتی ہے کہ پوری دنیا کو اپنی ثقافت کے سانچے میں ڈھال دیں"۔[25]

گویا قوت کے ذریعے ایک تہذیب، اس کے تصورات، اس کی اقدار اور اس کے نظام کو دوسروں پر مسلط کرنا تہذیبوں کا تصادم نہیں بلکہ یہ امپیریلزم ہے۔ اگر اس نوعیت کا تصادم کہیں پیدا ہوتا ہے تو وہ امپیریلزم کی وجہ سے ہی ہوتا ہے تہذیبوں کی وجہ سے نہیں ہوتا۔ دنیا کی تاریخ کا مطالعہ کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ مصر، شام، چین، ہندوستان اور افریقی ممالک سمیت ہر جگہ تہذیبی اختلاف نمایاں رہا مگر اس اختلاف کے نتیجے میں تہذیبی ٹکراؤ انسانیت کا مقدر نہیں بنا اور نہ ہی یہ صورت رونما ہوئی کہ ایک دوسرے کو محکوم بنانے اور تباہ کرنے کے لیے قوت آزمائی کی جائے۔[26] تہذیبی تصادم کے نظریے کو چیلنج کرنے والے خود امریکہ میں بھی موجود ہیں۔ ایک امریکی خاتون مفکر ڈاکٹر شیریں ہنگر جو کہ واشنگٹن کے ایک اہم تھنک ٹینک سینٹر فار اسٹرے ٹیجک اینڈ انٹر نیشنل اسٹڈیز کی پروفیسر ہیں، لکھتی ہیں کہ:

"مسلم معاشروں کا مکمل طور پر سیکولر ہو جانا اور مغربی تہذیب کے اہم پہلوؤں کو اختیار کر لینا بھی مغربی اور مسلم معاشروں کے درمیان مستقل مفاہمت کی ضمانت نہیں دے سکتا جب تک کہ مغربی اور مسلم ممالک کے درمیان باہمی نزاع کے اسباب باقی رہتے ہیں۔ خاص طور پر مسلم ممالک کی یہ خواہش کہ مغرب کے مقابلے میں طاقت کے عدم توازن کو دور کیا جائے۔"[27]

مذکورہ بالا تجزیہ درست معلوم ہوتا ہے کہ تہذیبوں کے تصادم کو دھوکے سے عنوان بنایا گیا ہے اصل مقصد قوت کے توازن اور مسلم دنیا پر سیاسی، معاشی اور عسکری غلبہ اور تسلط کا حصول ہے۔ تاریخ گواہ ہے کہ جب ایک تہذیبی قوت جسے معاشی، سیاسی، عسکری بالادستی حاصل ہو وہ یہ چاہے کہ اپنے نظام کو ساری دنیا پر بذریعہ قوت مسلط کر دے، دوسروں کو اپنے رنگ میں رنگ کر انکی معیشت، سیاست اور ان کی معاشرت کو اپنے زنجیروں میں جکڑ لے تب تصادم پیدا ہوتا ہے۔ اس وقت مغرب نے اپنے سیاسی اہداف کے حصول اور تصادم کی فضا پیدا کرنے کے لیے یہی راستہ اور یہی طریقہ اختیار کیا ہوا ہے۔ انگریزی پالیسی کا اصل الاصول یہ رہا ہے کہ جس طرح بھی بن پڑے دنیائے اسلام پر اپنی گرفت کو مضبوط سے مضبوط تر بنایا جائے۔ چنانچہ پہلی عالمی جنگ کے دوران انگریزوں کے یروشلم پر قبضہ کر لینے کے بعد انگریز لارڈ ایلن بائی نے علی الاعلان کہا کہ آج صلیبی جنگوں کا خاتمہ ہو گیا۔[28] اس وقت جو مسلم دنیا سیاسی اور معاشی طور پر انتشار کا شکار اور عسکری لحاظ سے نہایت کمزور ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اسلام چونکہ ایک تہذیبی اصول، ایک تحریک اور ایک متبادل قوت کی حیثیت سے ابھر رہا ہے اور یہ اپنے اندر ایک عالمی تہذیب بننے کی طاقت رکھتا ہے اس لیے اسے خطرہ بنا کر پیش کیا جا رہا ہے تاکہ اسے حقیقی خطرہ بننے سے پہلے ختم کیا جا سکے۔

5. اسلامی تہذیب سے متعلق عصری تقاضوں کا معروضی تجزیہ

مغربی تہذیب کا دعویٰ ہے کہ وہ ترقی یافتہ ہونے کی وجہ سے عصر حاضر میں ایک بین الاقوامی تہذیب بننے کا حق رکھتی ہے۔ ترقی، خوشحالی اور طاقت کی دولت رکھنے کی وجہ سے اس کی خواہش ہے کی اسے دنیا بھر میں پھیلایا جائے مگر اس تہذیب میں ایسی بہت سی

---

[25] Khūrshīd Ahmad, Professor, *Tahzībūn Kā Taṣādum Haqīqat yā Wahimah*, (Māhnāmah Tarjamān- al Qur'ān, Lahore, May 2006), 6.
[26] Ibid, 8.
[27] Ibid, 15.
[28] Shahīd, Sayyīd Muhammad Qutub, *Islam aūr Jadīd Zehin Kay Shubhāt, Translator, Muhammad Salīm Kiyānī*, (Al-Badar Publications Lahore, March 1981), 8.

خامیاں ہیں جو اسے بین الاقوامی تہذیب بننے تک نہیں پہنچنے دینا چاہتیں جبکہ مغربی تہذیب کے علمبردار ان خامیوں سے قطعہ نظر کرتے ہوئے اسے دنیا میں عام کرنے کی پالیسیاں بنا رہے ہیں۔ آنے والے زمانے میں یہی تہذیبی تصادم عالمی امن کے لیے خطرہ بن سکتا ہے اور ایک بڑی عالمی جنگ کا پیش خیمہ ثابت ہو سکتا ہے۔ اسلام کے علاوہ کوئی بھی تہذیب مغرب کی اقتصادی اور سیاسی بالادستی کو للکارنے کی صلاحیت نہیں رکھتی اسی لیے آج امریکہ کی دہشت گردی کے خلاف عالم اسلام پر مسلط کردہ جنگ کا حصہ اکثر مسلمان ممالک بھی بن چکے ہیں۔ عالمی ذرائع ابلاغ مغرب کے ہاتھ میں ایک ایسا جدید فکری ہتھیار ہے جس کے ذریعے وہ تیسری دنیا بالخصوص مسلم ممالک پر مسلسل حملہ آور ہے۔ اس نظریاتی و فکری یلغار میں امت مسلمہ کے عقائد اور تہذیبی اقدار مغربی دانشوروں اور ذرائع ابلاغ کی زد میں ہیں۔ اس کشمکش کے ماحول میں مغربی دانشوروں کے حملوں کا جائزہ لینے سے یہ یلغار اسلامی تہذیب و تمدن سمیت تمام شعبوں میں نظر آتی ہے۔ گزشتہ دو عشروں کے دوران پیش آنے والے واقعات کو سامنے رکھتے ہوئے اور حالات کا تجزیہ کرنے سے صورت حال یوں سامنے آتی ہے۔

- سلمان رشدی کو مغربی ممالک اور ذرائع ابلاغ نے رسالت مآب ﷺ کی ذات بابرکات کے بے پایاں عشق و محبت پر ضرب لگانے کے صلے میں آزادی رائے کا ہیرو بنا کر پیش کیا۔
- تسلیمہ نسرین صرف اس وجہ سے مغرب کی آنکھ کا تارا بن گئی کہ اس نے قرآن کریم کے ناقابل تبدل ہونے کے عقیدہ پر ضرب لگائی۔
- معاشرتی جرائم کی اسلامی سزاؤں کو انسانی حقوق کے منافی قرار دیا جا رہا ہے نیز پاکستان میں برائے نام نافذ چند اسلامی تعزیراتی قوانین کو ختم کرنے کے لیے امریکہ کی طرف سے مسلسل دباؤ ڈالا جا رہا ہے۔
- توہین رسالت پر سزا کے قانون کو انسانی حقوق کے منافی قرار دیا گیا اور اس قانون کے خاتمے کے لیے مغربی ممالک کی طرف دباؤ ڈالنے کے ساتھ توہین رسالت کے مرتکب افراد کی پشت پناہی اور حوصلہ افزائی کا سلسلہ تاہنوز جاری ہے۔
- قادنیت کو غیر مسلم قرار دینے پر مغربی ممالک اور عالمی برادری نے انہیں مظلوم قرار دے دیا۔ امریکہ کی طرف سے ان کے خلاف اٹھائے گئے اقدامات واپس لینے پر زور دیا جا رہا ہے۔
- اسلام کے معاشرتی اور خاندانی نظام کو موجودہ عالمی نظام کے منافی قرار دیا جا رہا ہے اور مسلم ممالک میں مروجہ عائلی قوانین کو عالمی معیار کے مطابق تبدیل کرنے کی تلقین کی جا رہی ہے۔ جنمیں شادی کے لیے مذہب کی شرط کو ختم کرنا، جنسی تعلقات کی آزادی، ہم جنس پرستی، غیر شادی شدہ ماؤں اور ناجائز بچوں کو قانونی تحفظ فراہم کرنے کے تقاضے شامل ہیں۔
- اسلامی عقائد سے وابستگی کو بنیاد پرستی قرار دیا جا رہا ہے۔ غیر مسلم ممالک میں موجود مسلم اقلیتوں کے ریاستی تشدد کے خلاف ہتھیار اٹھانے پر دہشت گردی کا لیبل چسپاں کر کے انہیں عالمی ذرائع ابلاغ کے ذریعے مسلسل کردار کشی کا نشانہ بنایا جا رہا ہے۔

گزشتہ سطور میں مغرب کی طرف سے اسلام اور مسلمانوں کے خلاف سامنے آنے والے تقاضوں کا ایک سرسری خاکہ پیش کیا گیا جو گزشتہ دو عشروں کے دوران منظم مہم اور مربوط نظریاتی جنگ کی شکل اختیار کر چکے ہیں اور جن کے سامنے بیشتر مسلم ممالک کی حکومتیں سر تسلیم خم کرتی جا رہی ہیں۔

6. خلاصہ بحث

مندرجہ بالا بحث سے یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ کسی بھی تہذیب کا اظہار اس کی مادی ترقی پر ہوتا ہے لیکن اس کے معیار اور بقاء کا دارومدار اس کی روحانی ترقی پر ہوتا ہے۔ آج کا انسان مادی ترقی کی دوڑ میں روحانی پہلو کو بالکل نظر انداز کر چکا ہے، آج کا انسان مادی نفع کے حصول میں اس بات کی پرواہ نہیں کرتا کہ وہ اپنے کتنے بھائیوں کو موت کے گھاٹ اتار چکا ہے یا کتنی تہذیبی اصولوں کی سنگین خلاف ورزی کر چکا ہے۔ مغرب اس وقت دنیا کی غالب قوت ہے اور اس کی تہذیب تقریبا تمام دنیا پر چھائی ہوئی ہے البتہ مسلم معاشروں میں اس کو تھوڑی بہت مزاحمت کا سامنا ہے اور یہ دفاعی مزاحمت حقیقت میں شکست ہی کی راہ ہے کیونکہ مسلم معاشروں میں اقدام کا حوصلہ نہیں جس کی بنیادی وجہ مسلمان قیادتیں ہیں۔ چونکہ اکثر معاشرتی ادارے مغربی انداز میں کام کر رہے ہیں۔ تعلیم ،سوچ اور تہذیبی رویوں میں مغربی تہذیبی ماڈل ہی پیش نظر ہوتا ہے اس لیے مزاحمتی رویوں کے علاوہ اسلامی تہذیب کے لیے کوئی بڑا کام نہیں ہو رہا۔

مزید برایں مغرب کی حکمت عملی یہ رہی ہے کہ اس نے تہذیبی جنگ کے لیے مسلم معاشروں کو ہی میدان جنگ کے لیے منتخب کیا ہے۔ اس لیے تہذیبی تصادم مسلم معاشروں میں برپا کیا جارہا ہے۔ بیشتر مسلم معاشروں کی تعلیمی، معاشرتی، سیاسی، عسکری، اور فکری قیادتیں اس تہذیبی تصادم میں مغرب کی معاونت کر رہی ہیں۔ جو لوگ مزاحمت کر رہے ہیں ان کا ایجنڈا محض رد عمل کا ایجنڈا ہے۔ چونکہ اسلام آج سے چودہ سو سال پہلے ہی موجودہ مغربی تہذیب کو تبرج جاہلیت کا نام دے کر یکسر رد کر چکا ہے، اس لیے آج مغرب کے روشن خیال اور تاریک دل دانشور اس جاہلی تہذیب کو صالح اور مہذب ثابت کرنے کے لیے اسلامی آثار وروایات کو فرسودہ قرار دے کر اس کو مسخ کرنے کے لیے اپنی ہر امکانی کوشش صرف کر رہے ہیں۔ مسلم معاشروں کی اکثریت کے اعمال و افعال، سیرت و کردار اور سیاست و قیادت پر مغربی تہذیب کی چھاپ کا دکھائی دینا اس بات کا ثبوت ہے کہ مسلم معاشروں میں اسلامی تہذیب سے روگردانی اور مغربی تہذیب سے رغبت کا رجحان پیدا ہو چکا ہے جس سے باآسانی یہ اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ سرمایہ دارانہ نظام اور اسکی حامل مغربی تہذیب اسلامی معاشروں پر اثر انداز ہو رہے ہیں۔ مذکورہ مسائل نے دنیا کے تمام مفکرین، دانش وروں، سیاست دانوں اور سماجی مصلحین کو پریشان کر رکھا ہے۔ ان مسائل کو حل کرنے اور ان کی گتھیوں کو سلجھانے کے لیے وہ نت نئی تدابیر اختیار کرتے ہیں مگر مسائل ہیں کہ مزید الجھتے چلے جارہے ہیں۔

7. تجاویز و سفارشات

دور حاضر میں اب ساری دنیا ایک عالمی گاؤں کا روپ اختیار کر چکی ہے ایسے حالات میں مختلف مذاہب، اقوام اور ممالک والے ایک دوسرے سے بے نیاز نہیں رہ سکتے۔ عالمی برادری کو بھی اپنی سوچ و فکر اور عمل و کردار پر نظر ثانی کرنی چاہیے۔ یورپ اور امریکہ کے دانشوروں اور ارباب اختیار کو چاہئے کہ وہ اپنے اندر اسلام کی حقیقی تعلیمات کو صحیح طور پر سمجھنے کا حوصلہ پیدا کریں۔ وہ تعصب کا چشمہ اتار کر ہادیٔ اعظم، خاتم النبیین حضرت محمد ﷺ کی عملی زندگی کا منصفانہ مطالعہ کریں۔ پھر تاریخ انسانیت کے تمام مصلحین سے اسلامی حقیقی زندگی کا تقابل کر کے اس کی آفاقی، ہمہ گیر اور عدیم النظیر حیثیت کو تسلیم کرلیں۔ وہ اس حقیقت کو بھی تسلیم کرلیں کہ اسلام اور مسلمان روئے زمین کی ایک ایسی عظیم قوت ہیں جن کو صفحۂ ہستی سے مٹایا نہیں جاسکتا۔ ان کے ساتھ ٹکر لینے کی بجائے وہ اصول "پرامن بقاء باہمی" کے راستے پر گامزن ہوں۔ لیکن اگر وہ سیاسی، مذہبی، معاشی اور معاشرتی لحاظ سے مسلم امہ کے سامنے رکاوٹیں کھڑی کر کے ان کو دنیا سے نیست ونابود کرنے کے تانے بانے پروئیں گے تو دنیا کا امن تباہ ہو گا۔ علاوہ ازیں اسلامی ریاستوں

کے سربراہان مملکت اور اہل علم ودانش حضرات کو بھی چاہیے کہ وہ اپنی نسل نوع کو اسلامی تہذیب و ثقافت سے روشناس کراتے ہوئے اس کی اہمیت کی طرف توجہ دلائیں نیز حسب ذیل امور بھی پیش نظر رکھے جائیں۔

1. مسلم ممالک کے حکمرانوں کو چاہیے کہ وہ مغربی معاشی نظام کی بجائے اسلامی معاشی نظام پر عمل درآمد کو یقینی بنائیں۔
2. نسل نو کو تعلیماتِ نبوی ﷺ کے مطابق تربیت دی جائے تاکہ راہ ہدایت پر بآسانی چلنا ممکن ہو۔
3. اسلامی نظریاتی کونسل کو جامع سفارشات مرتب کرکے مؤثر حکمت عملی اپنانے کی ضرورت ہے۔
4. حکومتی سطح پر انٹرنیٹ اور مخرب اخلاق ویب سائٹس پر مؤثر انداز میں نگرانی کی جائے۔
5. دنیا میں مذہب اسلام کا رشتہ تمام طور پر دہشت گردی وانتہا پسندی سے جوڑا جارہا ہے چنانچہ معاصر مقتدر علمائے کرام کو چاہیے کہ وہ انتہا پسندی کے خاتمے کے لیے مؤثر کردار ادا کریں۔

This work is licensed under an Attribution-ShareAlike 4.0 International (CC BY-SA 4.0)